JOURNAL OF RESEARCH (URDU)

ISSN (Print): 1726-9067, ISSN (Online):1816-3424
Volume No. 40, Issue No.02

JOURNAL'S PROFILE

Journal of Research (Urdu) is a bi-annual "Y" category journal approved by Higher Education Commission of Pakistan.
It started in 2001 from Bahauddin Zakariya University, Multan (Pakistan). At that time, it was owned by the Faculty of Languages & Islamic Studies. Later in 2008, Higher Education Commission of Pakistan recognized it as a research journal of Urdu in Category "Z". Since then, it is owned by the Department of Urdu, BZU, Multan. In 2014, it was upgraded and accepted for Category "Y".

CONTACT

Dr. Muhammad Asif
Editor, Journal of Research
Department of Urdu, BZU Multan-60800

MOBILE:
+92 333 6062921

WEBSITE:
https://jorurdu.bzu.edu.pk/website/

EMAIL:
jorurdu@bzu.edu.pk
muhammadasif12@bzu.edu.pk

ADDRESS

Office of the Journal of Research (Urdu), Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University, Multan

TITLE OF THE PAPER

منٹو کا ٹوبہ ٹیک سنگھ: نوتاریخی مطالعہ

AUTHOR(S)

* **Dr. Hina Jamshed**
Assistant Professor, Department of Urdu
Govt. Graduate College, Sahiwal

CONTACT
* hina.jamshed.khan@gmail.com

HISTORY OF THE PAPER

Received on: November 26, 2024
Accepted on: December 30, 2024
Published on: December 31, 2024

DETAIL(S)

Volume No. 40, Issue No. 02, Page No: 71-80
Publisher:
Department of Urdu, Bahauddin Zakariya University
Multan (Pakistan)-60800

LICENSE

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

COPYRIGHT

©The author(s) 2024. ©Journal of Research (Urdu) 2024.
This publication is an open access article.

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

* ڈاکٹر حنا جمشید

منٹو کا ٹوبہ ٹیک سنگھ: نو تاریخی مطالعہ

Manto's Toba Tek Singh: A New Historical Study

ABSTRACT

This new historical study of Saadat Hasan Manto's short story Toba Tek Singh investigates the socio-political and cultural aspects of the 1947 Partition of India as this always reflected clearly in Manto's creative narrative. Set against the backdrop of this historic upheaval, this story critiques the arbitrary divisions of the subcontinent through the experiences of some patients in a mental asylum. This story is particularly focused on the character of Bishan Singh, who is caught between the newly drawn borders of India and Pakistan by the British imperialism. This essay examines how Manto's portrayal of madness in the asylum describes and serves as an allegory for the collective insanity induced by the painful Partition. In new historical study It considers that the historical context of Manto's work, exploring the ways in which the political and social fragmentation of the time is mirrored in the character of Bishan Singh's dislocation, confusion, and loss of identity. By employing new historical methods, this study underscores the intersection of personal and national crises, also highlighting Manto's critique of nationalism, religious identity, and the human cost of political borders. Through a close reading of this story's narrative techniques, symbolism, and dark humor, this study tells that Toba Tek Singh is not only a reflection on the trauma of Partition but also a critique of the larger forces that shape national consciousness and collective memory.

KEYWORDS

New historical study, identity crisis, mental asylum, nationalism, political borders, religious divisions, trauma, irony, dark humor, symbolism

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان اور بھارت ایسی نوزائیدہ مملکتوں کے لیے ہمیشہ یہ سوال اہم رہا کہ اپنی تاریخ کیسے لکھی جائے؟ اس تاریخ کو لکھنے یا کسی دستاویز کی صورت محفوظ بنانے کے لیے کن ماخذات یا مسودات کو بنیاد بنایا جائے؟ دیکھا جائے تو

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

پاکستان کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی تاریخ کے استناد کے لیے ادبی ماخذات، مقتدر طاقتوں کی متشکل کی گئی تاریخ کے متوازی، ایک مستند متبادل تاریخ تشکیل دینے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی تقسیم، فسادات، قیامِ پاکستان اور ہجرت کی تاریخ پر کئی ادیبوں کے تخلیقی ادبی متون اس عہد کی تاریخ کا مستند حوالہ ہیں۔ انہی میں سے ایک نام سعادت حسن منٹو کا ہے۔ سعادت حسن منٹو کو ہندوستان کے اجتماعی ضمیر کی آواز کہنا بے جا نہیں، اس کی وجہ منٹو کے افسانوں کی فنی و فکری بنت کاری میں، برصغیر پاک و ہند کے سیاسی، سماجی، تہذیبی و ثقافتی اثرات کا وہ عمل دخل ہے جو انھیں ہندوستان اور پھر پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم ادبی و تاریخی ماخذ قرار دیتا ہے۔

تقسیم سے قبل کے ہندوستان کی تاریخ منٹو کے افسانوں اور مضامین کا ایک اہم حصہ رہی۔ منٹو کے انسانیت کے نباض ہونے کے سبب انسانی نفسیات کی عمدہ افہام و تفہیم اس کے افسانوں پر ہمیشہ چھائی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ، تہذیب اور ثقافت سے مشروط رویوں کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے سیاسی، سماجی، تہذیبی و ثقافتی رویے، اپنے اسباب و محرکات کے ساتھ منٹو کے افسانوں میں موجود ہیں۔ منٹو کے افسانے تاریخی واقعات کے محض بیانات ہی نہیں ہیں، بلکہ ان تخلیقی متون میں ان واقعات کے حقیقی تناظرات کی مکمل تفصیل، تنقید اور تجزیہ موجود ہے۔ منٹو صرف تاریخ کے بیان پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ تاریخ کے ان مقتدر بیانات کو سیاسی، سماجی و ثقافتی سطح کے ہر زاویے سے جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی تاریخی بصیرت ہندوستان کی اس تمام تہذیب و ثقافت پر نظر رکھتی ہے جسے مقتدر قوتیں طاقت کے بل پر مقتدر بیانیوں سے بدل دینا چاہتی ہیں۔

'ٹوبہ ٹیک سنگھ' سعادت حسن منٹو کا وہ لافانی افسانہ ہے جس میں برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کے نظریاتی پہلوؤں کے ساتھ جڑے اس انسانی المیے کی نمایاں عکاسی ملتی ہے جس سے تقسیمِ ہند کے نام پر ہر انسان کو گزرنا پڑا جس کی قلبی و ذہنی وابستگی فطری طور پر اس دھرتی کے ساتھ رہی۔ سعادت حسن منٹو کے اس افسانے کا نوتاریخی مطالعہ جہاں اپنے عہد کے سیاق کا احاطہ کرتا ہے وہیں اس عہد سے جڑی تاریخ کے ان تمام سیاسی، سماجی، تہذیبی و ثقافتی اثرات کو بھی پیش منظر میں لاتا ہے جو تقسیم کے اس کرب سے وجود میں آئے اور جنھوں نے اس عہد کی پریشاں نسل پر اپنے شدید نفسیاتی اثرات چھوڑے۔ حیرت انگیز طور پر یہ منٹو کا وہ افسانہ ہے جس پر کثرت سے لکھا گیا اور جس کی اردو ادب کے بڑے ناقدین نے اپنی مرضی کی تعبیر پیش کرنے کی سعی بھی کی۔ جب کہ منٹو کے کسی بھی افسانے کو اس کے دیگر افسانوی متون کے تاریخی و سیاسی، سماجی، تہذیبی و ثقافتی تناظرات سے کاٹ کر اس کی تنقید و توضیح پیش کرنا خود ایک تعجب خیز

بات ہے۔ تقسیمِ ہند کے تاریخی واقعے کے بعد نئی سرزمین اور نظریاتی تشخص کی قبولیت کے معاملات پر الجھاؤ کی تفہیم ہی اس افسانے کی نوتاریخی قرات کی متقاضی ہے۔

منٹو کے اس افسانے میں زمینی حقائق کو زبان کے جس پردے میں ملفوف کر کے متن کا حصہ بنایا گیا ہے وہ خود اپنے اندر تاریخ و ثقافت کی کئی سطحوں پر مشتمل ہے۔ افسانے کا متن اپنے اندر وسیع تناظر میں انسانی جذبات، احساسات اور دکھ سے جڑے اس مخصوص عہد کی المیے کی تصویر پیش کرتا ہے جسے خاص نظریاتی شکل میں مقتدر قوتوں نے تشکیل دیا۔ یہاں تاریخ جو خود اب ایک بیانیہ ہے اس کے قطعی اثرات کو کسی صورت نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس افسانے کی تفہیم کے وقت ایک سوال جو بدہا قاری کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ انسانی تاریخ کے اس واقعے سے منسلک ہے کہ آیا کہ تقسیمِ ہند سے متعلق تاریخ کو خاص نظریاتی سطح سے سمجھا جائے جائے یا اس کی تفہیم میں ان تمام عوامل کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے جو اسے انسانی المیے کی شکل میں انسانی نفسیات سے منسلک قرار دیتے ہیں۔ تاریخ کا یہی وہ مقام ہے جو اس واقعے کے تاریخی تناظرات کا ثقافتی حوالے سے نوتاریخی مطالعہ کرنے کا محرک بنتا ہے۔

دیکھا جائے تو منٹو کا یہ افسانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ ادب، ثقافت اور تاریخ کی تثلیث سے مربوط افسانہ ہے۔ افسانے کے مرکزی کردار بشن سنگھ کے لیے ٹوبہ ٹیک سنگھ ایک ایسا شناختی حوالہ ہے جو اسے تقسیمِ ہند کی شکل میں معدوم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ دیکھا جائے تو برصغیر پاک و ہند کی تقسیم بھی شناخت کے انہی حوالوں سے مشروط ہے۔ تقسیم کے یہ قاعدے جو مقتدر طبقات نے مختلف بیانیوں کی شکل میں عوام میں رائج کیے ہیں وہ شناخت کے ان حوالوں کو مانتے ہیں جن کی بنیاد محض مذاہب سے مشروط شناخت پر ہے۔ البتہ جس دھرتی پر ان دونوں قوموں کا اشتراک صدیوں سے رہا، جہاں کی تہذیب اور ثقافتی اقدار کی سانجھ دونوں قوموں کا مشترک اثاثہ رہیں، وہ مقتدر طبقات کی اقتدار اور طاقت کے حصول کی جنگ میں شکستہ کھا گئیں۔ اب ان دونوں قوموں کی شناخت وہ نظریات و تصورات ہیں جو مقتدر و سامراجی قوتوں نے محض اپنے مفاد کی خاطر مختلف بیانیوں کی شکل میں متشکل کیے۔ اور جنھیں مذہبی عناد و تعصب کا جامہ پہنا کر دونوں قوموں کے مابین نفرت کی وہ دیوار قائم کی گئی جس نے انھیں دو مختلف اور مخالف حصوں میں بانٹ ڈالا۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ بشن سنگھ کا کردار ایک ایسے پاگل شخص کا کردار ہے جسے پاگل خانے میں داخل ہوئے پندرہ برس بیت گئے ہیں، اور جس کی زبان سے ادا ہونے والے لایعنی کلمات بظاہر بے ربط و معنی ہیں۔ تاہم منٹو کے اسلوب اور فنِ اظہار کے رموز کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ لایعنی جملے بھی تخلیقی معنویت کے حامل ہیں۔ بشن سنگھ کے ان

مخصوص جملوں کا ثقافتی و نوتاریخی مطالعہ اگر کیا جائے تو ان میں لا محالہ ایک ایسا ربط دکھائی دیتا ہے جو خود بشن سنگھ کی انفرادی شناخت کا حوالہ ہے۔مثال کے طور پر افسانے کے متن کے درج ذیل حصوں کو دیکھئے:

"بشن سنگھ نے اس خدا سے کئی مرتبہ بڑی منت سماجت سے کہا کہ وہ حکم دے دے تاکہ جھنجٹ ختم ہو، مگر وہ بہت مصروف تھا۔اس لیے کہ اسے اور بے شمار حکم دینے تھے۔ ایک دن تنگ آ کر وہ اس پر برس پڑا۔ 'اوپڑ دی گڑ گڑ دی اینکسدی بے دھیانا دی منگ دال آف واہے گرو جی خالصہ اینڈ واہے گرو جی کی فتح۔۔جو بولے سو نہال، ست سری اکال۔' اس کا شاید مطلب تھا کہ تم مسلمانوں کے خدا ہو۔سکھوں کے خدا ہوتے تو میری ضرور سنتے۔"(1)

متن کا یہ حصہ جہاں اپنے اندر ایک لایعنی عبارت سموئے ہوئے ہے وہیں ایک ایسی بے بسی کا غماز ہے جو زمینی تقسیم سے گمشدگی میں تبدیل ہونے والی شخصی شناخت کی صورت میں داخلی و بیرونی سطح پر، اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات سے متصادم دکھائی دیتی ہے۔بشن سنگھ کی ذہنی اذیت اپنے تناظر میں ان تمام لوگوں کے اجتماعی کرب کی آئینہ دار ہے جنھیں مذہبی شناخت کی بنیادوں سے گزار کر زمینی تقسیم کے مرحلے سے گزارا گیا۔یہ تقسیم محض زمین کے دو ٹکروں کی تقسیم نہ تھی بلکہ اس تمام تہذیبی و ثقافتی ورثے کی تقسیم تھی جس کا اشتراک دھرتی کے ان دونوں ٹکڑوں سے مشروط تھا۔بشن سنگھ کا کردار اپنی منظم ثقافتی اور انسانی بنیادوں کے گم ہونے پر داخلی سطح پر جس ٹوٹ پھوٹ، تنہائی اور کرب کا شکار ہے وہ اتنا ہی اس داخلی کیفیت کا بیرونی اظہار کرنے سے قاصر ہے۔انسانی تہذیب و تمدن کی دنیا میں انسانیت، مذہب اور تہذیب وہ بڑے منابع ہیں جو افراد کو منضبط و منظم رکھنے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، تاہم جب تاریخ کے مقتدر بیانیوں کی ضرب ان آدرشوں میں دراڑ ڈال دے تو نفرت اور تعصب کے ہتھیار ثقافت، تہذیب و روایات کی اس پختہ دیوار میں بننے والے روزن کو مقتدر طبقات کی خوشنودی اور اقتدار کی ہوس کے لیے بڑے شگاف میں بدل کر، منظم اقدار کو ڈھا دینے کا سبب بنتے ہیں۔تاریخ کے یہی وہ عوامل ہیں جو بشن سنگھ کے کردار میں باہمی ٹکراؤ اور تصادم کی کیفیت میں ابھرتے ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقسیم کے موضوع پر لکھے گئے بے تحاشا ادبی متون میں سے ٹوبہ ٹیک سنگھ کو انسانی نفسیات اور رویوں کے تناظر میں نوتاریخی مطالعے کے لیے منتخب کیا جانا اپنے اندر کیا معنی رکھتا ہے؟ اس افسانے کی انفرادیت،

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

منٹو کا اپنے عہد کی تاریخ کو ایک عاقل و باشعور شخص کی آنکھ سے دیکھنے کی بجائے ایک ایسی آنکھ کا انتخاب کرنا ہے جسے عام شخص اپنے فطری حواس سے بیگانہ سمجھتا ہے۔ یقینی طور پر انسان کی فطری شناخت اس کی اس مقامیت سے جڑی ہے جو ہوش و حواس کے ساتھ چھوڑنے پر بھی اس کے ذہن کے کسی نہاں خانے میں ایک قیمتی اثاثے کی مانند محفوظ رہے۔ اور اس افسانے میں کچھ ایسا ہی حال بشن سنگھ کا ہے۔

بشن سنگھ کے کردار کا نوتاریخی تجزیہ کرنے کے ساتھ ساتھ اگر اسے تخلیق کرنے والے سعادت حسن منٹو کے تخلیقی کرب کو بھی ساتھ ساتھ پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ مطالعہ زیادہ سہل ہو جاتا ہے۔ منٹو جیسا بے باک اور بے ریا ادیب اپنی تخلیقی دنیا میں تقسیم کے واقعے پر خود جس ذہنی کرب سے گزرا وہ اس کا اور بشن سنگھ دونوں کا مشترک دکھ ہے۔ طاہرہ اقبال نے منٹو کے اسی افسانے کے بارے میں لکھا کہ منٹو نے اپنے دوسرے افسانوں کے برعکس یہاں خود کو ایک کردار کے طور پر نہ رکھا۔ نہ ہی اس نے کسی کو اچھے کو اچھا یا برے کو برا ثابت کرنے کی کوشش کی، اس کے اس افسانے میں کرداروں کا خود عمل اتنا شدید ہے کہ پڑھنے والا پہلے چونکتا ہے، لرزتا ہے، دہلتا ہے اور پھر ششدر رہ جاتا ہے۔(2) یہ افسانہ تقسیم کے منظر نامے کو ایک حساس پیرائے میں سمونے کے سبب طنزیہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ افسانے کے متن کی شروعاتی سطور ہی تاریخ کے اس مقتدر بیانیے کی غماز ہیں جس میں برطانوی سامراجیت کے تسلط سے رہائی و نجات کے نام پر ارضیاتی و شناختی تقسیم سے گزرنے والی دو قوموں کے ہجرت یافتہ لوگوں کے تبادلاتی کرب کا بیان مستور ہے۔ اس حوالے سے افسانے کا یہ ابتدائی حصہ ملاحظہ کیجیے:

> ”بٹوارے کے دو تین سال بعد پاکستان اور ہندوستان کی حکومتوں کو خیال آیا کہ اخلاقی قیدیوں کی طرح پاگلوں کا بھی تبادلہ ہونا چاہیے۔ یعنی جو مسلمان پاگل ہندوستان کے پاگل خانوں میں ہیں انھیں پاکستان پہنچا دیا جائے اور جو ہندو اور سکھ پاکستان کے پاگل خانوں میں ہیں، انھیں ہندوستان کے حوالے کر دیا جائے۔“(3)

واضح رہے افسانے کی ابتداء میں جن اخلاقی قیدیوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ وہ لوگ تھے جن کے خاندان فسادات کے خوف، تقسیم کے دکھ اور ہجرت کے کرب سے نجات کی تلاش میں سرحدیں عبور کر گئے، اور لاحاصلی کے اس دکھ سے گزرے جس نے ان کی زندگی کو دکھوں اور مسائل کے بھنور سے آشکار کیا۔ گویا اخلاقی قیدیوں کے نام پر منٹو کا طنزیہ قلم تاریخ کے اس بڑے واقعے کی مذمت کرتا ہے جس نے فسادات اور ہجرت کے نام پر لاکھوں لوگوں کے خون سے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

ہندوستان کی سرزمین کو سرخ کیا۔ بعدازاں پاگلوں کے تبادلے کا ہمدردانہ فیصلہ اور حکومتوں کو خیال آنے کے طنزیہ فیصلے سے لے کر بشن سنگھ کے کئی لایعنی لیکن طنزیہ اور کاٹ دار جملوں سے متن کا مطالعہ تاریخ کے اس جبر کا انعکاس ہے جو تقسیم کے نام پر مقتدر طبقے کی جانب سے برصغیر کی اس عوام کو سہنا پڑا جو ایک طرف برطانوی جبر کا شکار رہی اور بعد میں فسادات و تقسیم کے اذیت ناک مراحل سے گزرنے کے بعد ہندوستان اور پاکستان کی مقتدر اشرافیہ اور طاقت کے نمائندہ طبقات جاگیردارانہ سماج کی صورت ان پر مسلط رہے۔

افسانوی ادب کا نوتاریخی مطالعہ کرتے وقت طاقت کے منظم و مربوط بیانیوں کی تفہیم اس لیے بھی ضروری ہے تاکہ ادبی متون کی تہہ میں موجود جبر اور طاقت کی اس گرفت کو محسوس کیا جاسکے جو ان مقتدر بیانیوں کی گرفت سے تاریخی صداقتوں کو منظرِ عام پر لا سکے۔ منٹو کے اس افسانے کی شعریات بھی اسی دھرتی سے مشروط ہیں جسے بشن سنگھ اپنے تشخص سے مشروط کرتا ہے۔ افسانوی متن میں صرف بشن سنگھ ہی اس تمام دردناک تاریخی منظرنامے کا گواہ نہیں بلکہ اس کے علاوہ ان پاگلوں کا طنزیہ بیان بھی افسانے کو مزید کاٹ دار بنا دیتا ہے جو اینگلو انڈین ہونے کے باعث اپنے باہمی مسائل پر تبادلہءخیال پیش کرتے ہیں۔ پاگلوں کی یہ گفتگو خالصتاً طنزیہ پیرائے میں تاریخ، سیاست، تہذیب اور ثقافت کے اس مشترکہ مسئلے کی نمائندہ ہے جو برصغیر پاک و ہند میں رہنے والی دیگر اقوام کو بھی درپیش رہا۔ دیکھا جائے تو یہاں ایک عام ہندوستانی کی ارضیاتی تقسیم پر بے بسی کے ساتھ ساتھ، منٹو نے طاقت کے سامراجی بیانیے کو بھی ملفوف انداز میں اپنے متن کا حصہ بنایا ہے۔ تاکہ اس افسانوی متن کے ماضی، حال اور مستقبل کی بیک وقت صحیح منظر کشی کی جاسکے۔ مثال کے طور پر متن کا یہ حصہ ملاحظہ کیجیے:

> ”یورپین وارڈ میں دو اینگلو انڈین پاگل تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کو آزاد کر کے انگریز چلے گئے ہیں تو ان کو بہت صدمہ ہوا۔ وہ چھپ چھپ کر گھنٹوں آپس میں اس مسئلے پر گفتگو کرتے رہے کہ پاگل خانے میں اب ان کی حیثیت کس قسم کی ہو گی۔ یورپین وارڈ رہے گا یا اڑا دیا جائے گا۔ بریک فاسٹ ملا کرے گا یا نہیں۔ کیا انھیں ڈبل روٹی کی بجائے بلڈی انڈین چپات تو زہر مار نہیں کرنا پڑے گی۔“(4)

درج بالا اقتباس منٹو کی اس فنی مہارت کا عکاس ہے، جو طنزیہ ہونے کے ساتھ ساتھ، نوآبادیاتی سامراجیت کے اس برتر رویے کی بھی تصویر کشی کرتا ہے جو اینگلو انڈین پاگلوں کے رویے تک سے صاف جھلکتا ہے۔ محض 'بلڈی انڈین

چپاتی' کے الفاظ ان ذاتی عنادات و تعصبات پر مشتمل رویوں کا اشارہ ہیں جو نو آبادیاتی آقاؤں کی اینگلو انڈین اولادوں نے اپنے زیرِ نگوں رہنے والے ہندوستانیوں کے ساتھ روا رکھے۔ یہاں منٹو کے اس افسانے کا متن اپنے تناظرات میں یک زمانی ہونے کی بجائے کثیر زمانی تناظرات کا حامل ہے، جو بیک وقت حال، ماضی اور مستقبل کی کئی جہات میں اپنے معنی کا انشراح کرتا ہے۔

اب افسانے میں ہونے والے مختلف مختصر واقعات مثلاً نہاتے نہاتے ایک پاگل کا جوش سے 'پاکستان زندہ باد' کہنا اور فرش پر پھسل کر گر کر بے ہوش ہو جانا، ایک اور پاگل کا ہندوستان اور پاکستان کی بجائے درخت پر ہی رہنے کا فیصلہ کرنا، ایک ایم ایس سی پاس پاگل کا کپڑے اتار کر باغ میں ننگ دھڑنگ پھرنا، چنیوٹ کے ایک مسلمان پاگل کا خود کو محمد علی جناح اور ایک سکھ پاگل ماسٹر کا تلا سنگھ بن جانا، لاہور کے نوجوان پاگل وکیل کا ہندوستان اور پاکستان کے راہنماؤں کو ہندوستان کے دو ٹکڑے کرنے پر گالیاں دینا، یہ تمام واقعات اس الجھن اور ذہنی پیچیدگی کے غماز تھے جس سے یہ تمام پاگل گزر رہے تھے۔ پاگل خانے کے ان تمام پاگلوں کا اس سیاسی، سماجی و ثقافتی مسئلے کو نہ سمجھ پانا اور اس سیاسی مسئلے کو اپنی تہذیب و ثقافت سے متصل کر کے بد بد الجھنا، یقینی طور پر عام باشعور انسانوں سے انھیں مختلف بنا دیتا ہے۔ تاہم یہاں قابلِ غور بات یہی سوال ہے جسے منٹو نے نہایت عمدگی سے اپنے افسانے کی بنت میں رکھا کہ آیا کہ وہ تمام لوگ جو عقل و شعور کی بصیرت سے مالا مال ہیں، کیا وہ تقسیم کی اس پیچیدہ صورتحال کو سمجھ پائے ہیں؟ کیا ان سب کے لیے اس انسانی المیے اور نفسیاتی صدمے کو سہہ لینا ایسا ہی آسان تھا؟ تقسیم، فسادات، ہجرت اور قتل و غارت کے بھیانک پس منظر نے کیا ان لوگوں کے لیے اس تقسیم کے فیصلے کو قبول کرنا سہل رکھا تھا؟ ظاہر ہے یہ تمام معاملات سمجھنے میں ایسے آسان نہ تھے۔ منٹو نے اس افسانے میں دانستہ ان پاگل کرداروں کا انتخاب کیا اور ان کی لایعنی گفتگو سے تاریخ کے ان بیانیوں کی قلعی کھولنے کی کوشش کی۔ مثلاً افسانے کا وہ حصہ ملاحظہ کیجیے جہاں وہ پاگل جن کا دماغ ابھی پوری طرح ناکارہ نہیں ہوا، اس مخمصے میں شکار ہیں کہ ہندوستان میں ہوتے ہوئے وہ کیسے اچانک پاکستان میں شامل ہو گئے۔ اس حوالے سے متن کا یہ حصہ ذرا ملاحظہ کیجیے:

> "یہی وجہ ہے کہ پاگل خانے میں وہ سب پاگل، جن کا دماغ ابھی پوری طرح ماؤف نہیں ہوا تھا، اس مخمصے میں گرفتار تھے کہ وہ پاکستان میں ہیں یا ہندوستان میں۔ اگر وہ ہندوستان میں ہیں تو پاکستان کہاں ہیں اور اگر پاکستان میں ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ

پہلے یہیں رہتے ہوئے بھی ہندوستان میں تھے۔"(5)

بظاہر پاگلوں کی زبان میں ادا کیے جانے والے ان لایعنی جملوں میں اٹھائے گئے منٹو کے سوالات، ان مخمصوں کے عکاس ہیں جو ایک عام ہندوستانی کے ہندوستان کی تہذیبی، سیاسی و ثقافتی صورتحال پر روا رہے۔ بظاہر ان پاگلوں پر مسکرانے والا قاری بھی طنز کی اس کاٹ سے بخوبی واقف ہے جو سعادت حسن منٹو کی تحریر کا خاصہ ہے اور جو تاریخ اور ثقافت کے راست لیکن پیچیدہ مسائل کا غماز ہے۔ افسانے کا وہ حصہ خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہے جب بشن سنگھ اپنے ملاقاتی فضل دین سے ٹوبہ ٹیک سنگھ کے بارے میں استفسار کرتا ہے۔ بشن سنگھ کے استفسار پر فضل دین کا گھبرا جانا اور یہ کہنا:

"ٹوبہ ٹیک سنگھ کہاں ہے۔' فضل دین نے قدرے حیرت سے کہا۔' کہاں ہے۔۔۔ وہیں ہے جہاں تھا۔ ہندوستان میں، نہیں نہیں پاکستان میں۔ فضل دین بوکھلا سا گیا۔ اور بشن سنگھ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔"(6)

یہاں اس مقام پر فضل دین کا گھبرا جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس سیاسی تقسیم کو سمجھنے کی دقت صرف پاگلوں کو ہی پیش نہ آئی تھی، بلکہ ہوش و حواس اور عقل و فراست رکھنے والے لوگ بھی خود تاریخ کی اس پیچیدہ صورتحال کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ اب یہاں اس مقام پر منٹو کا تقسیم کے حوالے سے بشن سنگھ ایسے پاگل شخص کا کردار تخلیق کرنے کا مقصد سمجھ میں آتا ہے۔ کہ جس کی زبان سے منٹو نے اس عہد کی تاریخ کے تناظرات کا نہ صرف گہرا تجزیہ کیا بلکہ ایسے بامعنی سوالات کو بھی جنم دیا جن کا استفسار عام آدمی کے لیے ایسا آساں نہ تھا۔ مثال کے طور پر فضل دین کے بوکھلا جانے کے بعد بشن سنگھ کا یہ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلے جانا۔

"اوپڑ دی گڑ گڑ دی اینکس، دی بے دھیانا دی منگ، دی وال آف دی پاکستان اینڈ ہندوستان آف دی دور فٹے منہ!"(7)

بظاہر یہ لایعنی جملہ بھی خود کو تقسیم کے اسی دوراہے سے بچانے کے لیے ایک لاپرواہ سا بیان معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اس بیان کی سنجیدگی اور اس کی اپنی تہذیبی و سیاسی تاریخ سے وابستگی تب کھل کر سامنے آتی ہے جب بشن سنگھ اس تبادلے کے دوران ہندوستان یا پاکستان دونوں میں سے کسی بھی جگہ نہ جانے پر بضد ہو جاتا ہے۔ یہاں اس مقام پر افسانے کا دردناک انجام منٹو کے قلم کی نہ صرف مہارت کا غماز ہے بلکہ تاریخ کے اس طاقتور بیانیے کو بھی رد کرتا ہے کہ انسان کی شناخت محض مذہبی بنیاد پر ہی کی جا سکتی ہے۔ بشن سنگھ جیسے پاگل شخص کا ارضیت سے لگاؤ اس قدر گہرا اور معنی خیز ہے

Journal of Research (Urdu)
ISSN (P): 1726-9067, ISSN (E):1816-3424
Volume No. 40, Issue No. 2, Dec 2024

کہ وہ زمین کے اس ٹکڑے پر جان دینا پسند کرتا ہے جس کا کوئی نام نہیں۔

"سورج نکلنے سے پہلے ساکت وسامت بشن سنگھ کے حلق سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی۔ ادھر سے ادھر کئی افسر دوڑے آئے اور دیکھا کہ وہ آدمی جو پندرہ برس تک دن رات اپنی ٹانگوں پر کھڑا رہا تھا اب اوندھے منہ لیٹا ہے۔ ادھر خار دار تاروں کے پیچھے ہندوستان اور ادھر ایسی ہی تاروں کے پیچھے پاکستان۔ درمیان میں زمین کے اس ٹکڑے پر جس کا کوئی نام نہیں تھا، ٹوبہ ٹیک سنگھ پڑا تھا۔"(8)

متن کا یہ حصہ تاریخ، تہذیب اور ثقافت کے باہمی رشتے کی اس گہرائی کا عکاس ہے، جسے مقتدر طاقتوں کے متشکل کیے گئے بیانیے بھی مذہب یا سیاست کے نام پر دور نہیں کر سکتے۔ افسانے کے متن میں ثقافت وارضیت کے عناصر ہندوستان کے عام فرد کی شناخت کے طور پر ابھرتے ہیں جس کی سانجھ یقینی طور پر کئی صدیوں پر مشتمل ہے۔ دیکھا جائے تو منٹو کے تخلیق کیے گئے پاگل خانے کے ان تمام کرداروں کا مطالعہ ایک کل یا ان کی مکمل تشکیلی ساخت میں کیا جانا یا ہر کردار کا انفرادی تجزیہ دونوں ہی بے یقینی کی ایسی صورتحال کو متشکل کرتے ہیں جو مقتدر بیانیوں کے روایتی نظریات و تصورات کو رد کرتے ہیں۔ منٹو کی یہ جرات آمیزی اور بے باکانہ اظہار طاقت کے اس روایتی تصور کا رد ہے جو سماجی بیانیوں کو اپنے اقتدار و مفاد کے خاطر متشکل کرتا ہے۔ بقول ن م دانش:

"مختصراً اس کو یوں سمجھیں کہ پاکستان تو 1947 کی آدھی رات کو بن گیا، لیکن اس کی کوئی ایسی مختلف تہذیبی و ثقافتی تاریخ اور شناخت راتوں رات نہیں بن سکتی، جو آپ کو عملاً ہندوستان کے عوام سے مختلف اور الگ کر سکے۔ مذہب کے مختلف ہونے کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ ویسے دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جہاں 'صرف ایک' مذہب کے ماننے والے رہتے ہوں۔ لیکن ہندوستان/پاکستان کے عوام کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ، زندگی اور شناخت کے حوالے سے یہ درست نہیں تھا۔"(9)

منٹو کو اپنے وسیع تاریخی شعور اور وقیع بصیرت کے سبب تاریخ کے اس فلسفے کا بخوبی ادراک تھا۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ محمد حسن عسکری جیسے سخت ناقد نے سیاہ حاشیوں ہر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے منٹو کو ایسا کھرا ادیب لکھا تھا کہ جس نے تقسیم کے موضوع پر نیک و بد کے سوال کو ہی خارج از بحث قرار دے دیا تھا۔ اور اس تاریخ کے اس اہم واقعے پر اپنا ایک

ایسانقطہ نظر پیش کیا تھاجو نہ سیاسی تھا نہ اخلاقی، نہ عمرانی بلکہ صرف اور صرف ادبی اور تخلیقی۔(10)ایسی ہی برجستہ رائے وارث علوی نے بھی منٹو کے بارے میں دی کہ منٹو کی بے لاگ اور سفاک حقیقت نگاری نے ہمارے بے شمار عقائد، مسلمات اور تصورات کو توڑااور ہمیں شعلہ ءحیات کو برہنہ انگلیوں سے چھونے کی جرات عطاکی۔(11) شاید اسی لیے منٹو کے اس افسانے کو اظہار وابلاغ کی عالمگیریت پر فائز کرنے یا اس کی عظمت کو خراجِ تحسین پیش کرنے سے زیادہ اس کے افسانے کے فنی رموز، زمینی حقائق اور تہذیب و ثقافت سے جڑے آدرشوں کو محسوس کر لینا ہمارے لیے زیادہ اہم ہے۔ محض اسی صورت میں افسانے کے تاریخی تناظرات کی نوتاریخی قرات و تفہیم مکمل ہو پائے گی۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ سعادت حسن منٹو، منٹو کی بیس کہانیاں، مرتبہ ڈاکٹر انوار احمد (ملتان: بیکن بکس، 2015)، ص224
2۔ طاہرہ اقبال، ڈاکٹر، منٹو کا اسلوب(افسانوں کے حوالے سے)(لاہور: فکشن ہاؤس، 2012)، ص128
3۔ منٹو کی بیس کہانیاں، مرتبہ ڈاکٹر انوار احمد، ص219
4۔ ایضاً، ص222
5۔ ایضاً، ص220
6۔ ایضاً، ص225
7۔ ایضاً
8۔ ایضاً، ص227
9۔ ن م دانش، اوپڑی دی گڑ گڑ دی۔ یعنی اس کا مطلب کیا، مشمولہ مابعد جدیدیت اطلاقی جہات، مرتبہ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2018)، ص233
10۔ محمد حسن عسکری، دیباچہ سیاہ حاشیے، مشمولہ مجموعہ منٹو، مصنف: سعادت حسن منٹو (لاہور: مشتاق بک کارنر، 2014، ص354
11۔ وارث علوی، سعادت حسن منٹو(ہندوستانی ادب کے معمار)(نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، 1995)، ص100